ارتداد کے شرعی احکام

(دوسری قسط)

ڈاکٹر محفوظ احمد

مال سے متعلق احکام

مرتد کے مال سے متعلق احکام تین طرح کے ہیں:

(۱) مال کا حکم (۲) میراث کا حکم (۳) قرضوں کا حکم

مال کا حکم:

تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ مرتد اگر تائب ہوجائے تو اس کا تمام مال و جائیداد جس کا وہ ارتداد سے پہلے مالک تھا توبہ کے بعد بھی اس کی ملکیت میں رہے گا۔ اسی طرح مرتدہ عورت کے اموال پر بھی اس کی ملکیت قائم رہتی ہے۔

اگر مرتد ردت کے بعد اسلامی ریاست کو چھوڑ کر کسی دشمن ملک میں چلا جائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی۔ البتہ زوال ملکیت کے سبب میں ائمہ کے اختلاف ہے یعنی یہ زوال ملکیت ارتداد کی وجہ سے ہوئی یا قتل ہوجانے کی وجہ سے یا ترکِ وطن سے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرتد کی اپنے اموال سے ملکیت ارتداد ظاہر ہونے پر ارتداد کی وجہ سے زائل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مرتد اپنے مال سمیت ترکِ وطن کرنے لگے تو اسے اس کی

اجازت نہیں دی جائے گی بلکہ اسے قتل کیا جائے گا۔ چونکہ اس کا مال اس کی ضرورت سے زائد ٹھہرا لہٰذا یہ مال اس کی ملکیت نہ ہوگا لہٰذا ارتداد کو موت اور ترک وطن کے قائم مقام قرار دے دیا جائے گا۔ اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال ریاست کی ملکیت ہو جائے گا۔

صاحبین کے نزدیک مرتد کی حالت ارتداد میں نہ صرف ملکیت قائم رہتی ہے بلکہ اس کا اپنے اموال پر تصرف کرنا بھی جائز ہے۔ وہ اپنا مال کسی کو ہبہ بھی کر سکتا ہے۔ اگر وہ تائب ہو جائے تو اس کے تصرفات قائم رہیں گے البتہ اگر ترکِ وطن یا قتل کر دیا جائے تو اس کے یہ تصرفات کالعدم ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ حالت ارتداد میں اس کے تصرفات مرض الموت میں مبتلا مریض کی طرح ہوتے ہیں کیونکہ اسے بھی چند روز میں قتل ہونا ہوتا ہے۔ اگر مرتد تائب ہو جائے تو تمام ائمہ کے نزدیک حالت ارتداد میں کئے گئے تمام تصرفات جیسے بیع و شرا، ہبہ اور وصیت وغیرہ جائز و مؤثر ہوں گے۔

مالکیہ کے نزدیک حاکم کو چاہئے کہ مرتد کو ارتداد کے بعد اسے تصرفات سے روکے۔ تین یوم تک اسے ضروری اشیاء فراہم کرے اگر وہ تائب ہو جائے تو اس کی ملکیت قائم رہے گی ورنہ نہیں۔ شوافع کے ہاں مرتد اگر حالت ارتداد میں ہلاک ہو گیا تو ملکیت زائل ہوگی۔ اگر تائب ہو گیا تو بحال ہو جائے گی۔ (۷۷)

مرتدہ عورت کے مال پر اس کے تصرفات باقی رہتے ہیں کیونکہ ارتداد سے اس کے اموال پر اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔ اس بارے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ اس کا اپنے مال میں تصرف بھی جائز ہے کیونکہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اس کا مرتد ہونا اس کی ملکیت کے زائل ہونے کا سبب نہیں بنتا۔

خلاصہ یہ کہ ارتداد کے بعد ملکیت مال کی چار صورتیں ہوں گی۔

i۔ مرتد اگر اسلام قبول کرے تو وہ خود اس کا مالک رہے گا۔

ii۔ اگر وہ مر جائے یا قتل کر دیا جائے یا ترکِ وطن کرے تو اس کا مال اس کے وارثوں کو مل جائے گا اور اس کے لئے ہوئے قرضے بھی وہی واپس کریں گے۔

iii۔ اگر ترکِ وطن کے بعد وہ تائب ہو کر واپس اپنے وطن آ گیا تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

ا۔ ابھی تک عدالت کی طرف سے اس کے مال کی تقسیم کا فیصلہ نہیں ہوا۔

۲۔ عدالت کی طرف سے مال کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

اول الذکر صورت میں وہ شخص ملکیت بحال کرنے کی عدالت سے درخواست کریگا اور عدالت اس کی سابقہ ملکیت بحال کر دے گی۔ اس دوران اس کے وارثوں نے اگر کسی قسم کا اس کی ملکیت میں تصرف کیا ہو تو وہ باطل ہو جائے گا۔

مؤخر الذکر صورت میں مرتد اپنے اصل مال کا مالک ہو جائے گا لیکن وارثوں کے تصرفات باطل نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے یہ تصرفات اس کے جانشین ہونے کی حیثیت سے کئے ہیں۔

اگر مرتد حالت ارتداد میں کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس کا تعلق حقوق اللہ سے متعلق ہو جیسے زنا اور شراب نوشی وغیرہ اور پھر ترکِ وطن کرے اور پھر واپس آ جائے تو اس سے یہ حدود ساقط ہو جائیں گی کیونکہ ترکِ وطن یا دشمن ملک سے الحاق موت کے مترادف ہے جس سے سزا ساقط ہو جانے کا شبہ ہو جاتا ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہو جیسے قتل، چوری اور قذف وغیرہ تو واپسی پر ان جرائم میں ماخوذ ہوگا۔(۷۸)

میراث کا حکم:

مرتد کی میراث دو طرح کی ہوتی ہے:

۱۔ وہ دولت جو اس نے اسلام کی حالت میں کمائی۔

۲۔ وہ دولت جو اس نے حالت ارتداد میں کمائی۔

اول الذکر صورت میں احناف کے نزدیک اگر مرتد ترکِ وطن کرے یا عدالت اس کے متعلق قتل کا فیصلہ دے یا کوئی شخص اسے قتل کر دے تو مسلمان وارث اس کی میراث کے وارث ہوں گے۔ اس لئے کہ ابن عجل المستورد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارتداد کی بناء پر قتل کیا اور اس کے مال کو مسلمان وارثوں میں تقسیم کیا اور کسی صحابی کا اس فیصلے سے کوئی اختلاف منقول نہیں۔ اس کے علاوہ ارتداد موت کی مانند ہے۔ لہٰذا کسی کا مرتد ہونا ایسے ہی جیسے ایک مسلم فوت ہو گیا۔ لہٰذا مسلم وارث مرتد کی میراث کے وارث ہوں گے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں مرتد کی دولت مال فے ہے اور اس کے مسلم وارث بھی اس کے وارث نہیں ہوں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلم کافر کا

اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہوتا۔(۷۹)

ثانی الذکر صورت میں وہ دولت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مال فے ہوگی اور صاحبین کے نزدیک میراث۔ اس لئے کہ صاحبین کے نزدیک ارتداد کسی چیز کے مالک بننے کے منافی نہیں۔ لہٰذا حالت ارتداد میں کمائی گئی دولت کا بھی مرتد مالک ہوگا اور مسلمان وارث اس کے وارث ہوں گے جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ارتداد ہوتے ہی اس کا اپنا مال اس کی ملکیت سے زائل ہو جائے گا۔ چونکہ ارتداد ملکیت کے منافی ہے لہٰذا حالت ارتداد میں کمائی ہوئی دولت کا کوئی مالک نہیں بلکہ وہ حکومت کی ملکیت ہوگا۔(۸۰)

مرتد کی میراث کا وارث بننے کی اہلیت کس وقت سے تسلیم کی جائے اس کے لئے تین اقوال ہیں:

۱۔ارتداد کے وقت ۲۔مرتد کی موت کے وقت ۳۔ارتداد سے موت تک۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق صرف ارتداد کے وقت سے اور دوسری روایت کے مطابق ارتداد سے موت کے وقت تک اہلیت قابل تسلیم ہوگی۔ چنانچہ اگر کوئی وارث مرتد کے ارتداد کے وقت مسلمان ہو اور پھر مرتد کی موت سے قبل وہ وارث بھی مرتد ہو جائے تو اسے میراث نہیں ملے گی۔

اگر شوہر اور بیوی ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر بیوی نے ایک بچے کو جنم دیا اسی دوران بچے کے باپ کو ارتداد کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ اگر بچے کی ولادت باپ کے ارتداد کے بعد چھ ماہ کے عرصہ سے قبل ہوئی تو وہ اپنے باپ کی میراث کا وارث ہوگا کیونکہ اس صورت میں یقیناً اس کا حمل اس وقت قرار پایا جب میاں بیوی دونوں مسلمان تھے اگر چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو وہ باپ کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ حمل میں شک ہے کہ دونوں اس وقت مسلمان تھے یا مرتد۔ اگر صرف شوہر مرتد ہوا اور بیوی مرتد نہ ہوئی تو اس صورت میں دیگر مسلمان وارثوں کے ساتھ وہ بچہ بھی میراث پائے گا خواہ وہ باپ کے ارتداد کے چھ ماہ بعد ہی پیدا ہوا ہو کیونکہ اس کی ماں مسلمان ہے لہٰذا وہ تبعی مسلم کہلائے گا۔

صاحبین کے نزدیک وارث بننے کی اہلیت مرتد کی موت سے کی جائے گی کیونکہ ان کے نزدیک ملکیت کے زوال کا سبب ارتداد نہیں موت ہے۔ لہٰذا وارث ہونے کی اہلیت کا اعتبار بھی اسی وقت سے کیا جائے گا۔(۸۱)

قرضوں کا حکم:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد کے ذمہ واجب الادا قرضے زمانہ ارتداد کی کمائی ہوئی دولت سے ادا کئے جائیں البتہ جو قرضے بچ جائیں انہیں زمانہ اسلام کی دولت سے ادا کیا جائے گا۔ اس ضمن میں دوسری روایت یہ ہے کہ مرتد کے قرضے پہلے زمانہ اسلام کی دولت سے ادا کئے جائیں گے اگر مزید قرض ادا کرنا مطلوب ہو تو زمانہ ارتداد میں کمائی ہوئی دولت سے ادا کئے جائیں گے۔ بہرحال اس کے قرضے ادا کرنا ضروری ہیں۔

آپ کا ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ حالت اسلام میں لئے گئے قرضے حالت اسلام میں کمائی گئی دولت سے اور حالت ارتداد میں لئے گئے قرضے حالت ارتداد میں کمائی ہوئی دولت سے ادا کئے جائیں۔

صاحبین کے نزدیک مرتد کے قرضے اس کے اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں کی کمائی سے ادا کئے جائیں کیونکہ ان دونوں حالتوں میں کمائی گئی دولت میراث ہوتی ہے۔

حنابلہ اور شوافع کے ہاں مرتد کا قرض قبل از ارتداد کے مال سے ہی ادا کیا جائیگا۔(۸۲)

اولاد سے متعلق احکام

مرتد کی اولاد کی دو حالتیں ہیں:

ارتداد سے پہلے کی اولاد:

اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بچے جن کی پیدائش کے وقت والدین مسلمان ہوں، وہ ارتداد سے پہلے کی اولاد تسلیم ہوں گے۔ ان بچوں کے متعلق اسلام کا حکم یہ ہے کہ یہ تبعی مسلمان کہلائیں گے۔ اگر والدین ارتداد کی سزا میں ان سے الگ کر دیئے جائیں تو یہ تبعیت اسلامی ریاست کو منتقل ہو جائے گی۔ لہٰذا انہیں تبعی مسلمان ہی کہا جائے گا۔ اگر والدین ان بچوں کو چھوڑ کر کسی دشمن (کافر) ملک چلے جائیں تو بھی یہی حکم ہوگا۔

اگر سزا کے عدم نفاذ کی بناء پر مرتد والدین مسلم ملک میں ہی مقیم ہوں اور وہ بچے اپنے

والدین کے ساتھ رہ کر بالغ ہوں۔ بلوغت کے بعد والدین ہی کے دین کو اختیار کرلیں تو انہیں حکمی مرتد کہا جائے گا۔ فقہ اسلامی میں حکمی مرتد کی سزا قتل نہیں۔ ایسے مرتد کو قید میں رکھ کر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

ارتداد کے بعد کی اولاد:

اگر حالت ارتداد میں کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کی حیثیت والدین جیسی ہوگی اور تبعیت میں اسے مرتد قرار دیا جائے گا البتہ اس کی اولاد کافر کہلائے گی۔ (۸۳)

مرد کا ارتداد

اس عنوان کے تحت ان موضوعات کو زیر بحث لایا جائے گا۔

۱۔ جزیہ کا عدم جواز ۲۔ تفریق بین الزوجین ۳۔ ذبیحہ ۴۔ عدم ولایت

۱۔ جزیہ کا عدم جواز:

جزیہ کا لفظ جزا سے ہے جو بدلہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں جزیہ سے مراد وہ رقم ہے جو اسلامی ریاست اپنے غیر مسلم شہریوں کے جان کی حفاظت کے بدلہ میں وصول کرتی ہے۔ جزیہ کی اصطلاح انسانوں کی حفاظت کا ذمہ اور خراج کی اصطلاح زمین کے مالیہ کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

علامہ نعیم الدین فرماتے ہیں کہ وصول جزیہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں کو اس لئے مہلت دی جائے تا کہ وہ اسلام کے محاسن، قوت اور دلائل دیکھ کر مشرف باسلام ہونے کا موقع پائیں۔ (۸۴)

وصولی جزیہ کا ذکر قرآنِ مجید کی اس آیت میں ہے:

"قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ (۸۵)

(ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ ان لوگوں میں سے سچے دین کو قبول کرتے ہیں جنہیں کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں)۔

وجوب جزیہ کے لئے تین شرائط ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو جزیہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ وہ شرائط یہ ہیں:

۱۔ غیر مسلموں کو مسلمان قوت اور جنگ کے ذریعہ سے مغلوب کرلیں۔ وہ لوگ جو جنگ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔
۲۔ وہ اسلامی حکومت کے مطیع ومحکوم ہونے پر راضی ہو کر معاہدہ طے کریں۔
۳۔ غیر مسلم کو حفاظت کی نعمت حاصل ہو۔ لہٰذا اگر جان و مال کی حفاظت نہ ہو تو جزیہ کی وصولی کا حق نہ ہوگا۔ (۸۶)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مشرکین عرب کے سوا ہر کافر ومشرک سے جزیہ وصول کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اہل کتاب و مجوسی سے جزیہ وصول کیا جائے۔ اگرچہ عربی ہو یا عجمی۔ اہل کتاب کا ذکر قرآنِ مجید میں ہے اور مجوسیوں کے بارے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا رویہ رکھو لیکن ان سے نکاح نہ کرو نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہر کافر سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ قرآنِ مجید کے اس حکم پر مغل بادشاہ عالمگیر کے عہد حکومت کے بعد سے لے کر آج تک عمل درآمد معطل ہے۔ جزیہ کی اس مختصر وضاحت کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مرتد پر جزیہ کی وصولی کی شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اس سے زندگی کے بدلے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے لئے ایک ہی حکم ہے۔ اسلام پر توبہ کرنا یا قتل ہونے کے لئے تیار ہو جانا۔ اس پر تمام آئمہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ مرتد سے جزیہ کی وصولی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کیا ہے۔ اس کے لئے اسلام یا تلوار کے علاوہ کچھ قبول نہیں کیا جائے گا تاکہ مرتد سزا پائے۔ (۸۷)

۲۔تفریق بین الزوجین:

زوجین میں سے کوئی ایک اگر مرتد ہوئے تو ارتداد کی بناء پر ان میں علیحدگی ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ارتداد موت کے قائم مقام ہے کیونکہ ارتداد کا انجام موت ہے اور موت سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ جیسے مرتد سے ابتداء کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح نکاح کی بقاء بھی جائز نہیں ہوگی۔ اگر مرد مرتد ہوا تو ارتداد کی بناء پر تفریق ہو جانے کے باوجود اس کے اختیار طلاق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اگر مرتد تائب ہو جائے تو اسے طلاق کا اختیار اسی طرح حاصل ہوگا جیسے ارتداد سے پہلے تھا۔ اس لئے کہ وہ امور جن میں طلاق کے بغیر میاں بیوی کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے ان میں حق طلاق بدستور قائم رہتا ہے۔

اہل کتاب خواتین سے اگرچہ مسلمان مرد کو نکاح کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر مسلمان بیوی عیسائی یا یہودی ہو جائے تو بھی ارتداد کی بناء پر تفریق ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ارتداد موت کے قائم مقام ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ارتداد تفریق زوجین کا ایک الگ سبب ہے جب کہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ارتداد طلاق کے قائم مقام ہے۔ ان ائمہ کے نزدیک اگرچہ تفریق کی علت میں اختلاف ہے لیکن تفریق کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں۔ تفریق کے بعد عورت کو عدت گزارنا ہوگی۔

اگر میاں بیوی دونوں مرتد ہو گئے تو پھر ان میں تفریق نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر وہ دونوں اکٹھے تائب ہوں تو ان کا پہلا نکاح برقرار رہے گا۔ تجدید نکاح کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ خلاف قیاس ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل ہے۔ آپ کے عہد خلافت میں جو عرب مرتد ہو گئے اور پھر انہوں نے اسلام قبول کیا تو آپ نے ان کے ازواج کے درمیان کوئی تفریق نہیں ں اور کسی صحابی نے اس عمل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا یہ اجماع ہے۔ (۸۸)

۳۔ذبیحہ:

ذبیحہ سے مراد ہے کہ کسی حلال جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کرنا تا کہ اس کا گوشت کھانا مسلمانوں کے لئے جائز ہو۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

کسی بھی جانور کو ذبح کرنے کے لئے کتب فقہ میں جو شرائط بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا اہل کتاب۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا رویہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے لیکن ان کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کے ذبیحہ کو مستثنیٰ کر دیا۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کو اس لئے جائز قرار دیا گیا کہ یہ لوگ اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، آخرت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک رسولوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان عقائد اسلامی کا قائل ہو اس کا ذبیحہ بھی جائز ہوگا۔

بہرحال جس طرح کافر کا ذبیحہ شرعاً جائز نہیں ایسے ہی مرتد کا ذبیحہ بھی جائز نہیں۔ اگرچہ ارتداد کے بعد کوئی یہودی ہو یا عیسائی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد اگر قریب البلوغ ہو تو اس کا ذبیحہ درست ہوگا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا ارتداد صحیح نہیں۔ باقی ائمہ کے نزدیک قریب البلوغ بچے کا ارتداد صحیح ہونے پر ذبیحہ بھی جائز نہیں ہوگا۔ (۸۹)

۴۔ عدم ولایت:

ولایت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے ترکہ میں وہ حصہ لے جو شریعت نے اس کا حصہ مقرر کیا ہو۔ اور عدم ولایت سے مراد اس حصے سے محروم ہونا ہے۔ مرتد کو ارتداد کی بناء پر ان تمام ترکوں میں جن میں کسی بھی نسبت کی وجہ سے اس کا حالت اسلام میں حصہ مقرر تھا اس میں عدم ولایت ہوگی۔ یعنی وہ اس حصے کا حقدار نہیں ہوگا۔ جیسے اگر کسی کا بیٹا مرتد ہو گیا۔ اب باپ نے اس کے ارتداد کے بعد جو ترکہ چھوڑا وہ اس کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ وہ امور جن سے وارث اپنے مورث کے ترکہ سے محروم ہوتا ہے، یہ ہیں:

i۔ وارث کا اپنے مورث کو قتل کرنا۔

ii۔ اختلاف دین۔

چونکہ اختلاف دین کی وجہ سے وارث کو اپنے مورث پر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا مرتد کو بھی اسی سبب کی وجہ سے عدم ولایت ہوگی سوائے اس کے کہ وہ تائب ہو کر دوبارہ مسلم ہو جائے۔ (۹۰)

عورت کا ارتداد اور اس کے اباحۃ الدم میں اختلاف

اگر عورت مسلمان مرتد ہو جائے تو کیا اس کا خون بھی مباح ہو گا یا نہیں۔ اس ضمن میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسلمان عورت اگر مرتد ہو جائے تو اس کا خون مباح نہیں ہو گا یعنی اسے قتل کرنے کی بجائے قید کر کے اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا یعنی دوران قید ہر روز اس کی اصلاح کی جائے۔ اسے اسلام کی ترغیب دی جائے، یہاں تک کہ وہ تائب ہو جائے یا اسے موت آ جائے۔ احناف مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں مرتدہ عورت کا خون مباح ہونے کے قائل نہیں۔

i۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ (۹۱)
لہٰذا جب عورت اپنے اصلی کفر پر قتل نہیں کی جاتی تو جو کفر بعد میں طاری ہوا ہے اس پر بھی قتل نہیں ہونی چاہیے۔

ii۔ عورت کو ارتداد پر قتل نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت کا کسی دین کو قبول کرنا بالعموم مردوں کے تابع ہوتا ہے جیسے ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اسلام قبول کیا تو اس کی پانچ بیویاں بھی اس کے ساتھ اسلام لے آئیں۔ مرتد کا قتل اس لئے شروع ہوا کہ اسلام کی دعوت دو طریقوں سے دی جاتی ہے۔

پہلے طریقے میں اسلام کے محاسن بیان کرنا، زبانی دعوت دینا اور توبہ کی ترغیب دینا شامل ہے۔ دوسرے طریقے میں مرتد کو قتل کی سزا دینا ہے تاکہ اس کے نتیجے میں وہ اسلام قبول کرے۔

مرد کے تابع ہونے کے باعث چونکہ عورت کے قبول اسلام کے لئے یہ دونوں طریقے غیر مؤثر ہیں۔ لہٰذا اسے قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسی لئے حربی عورت کو قتل نہیں کیا جاتا جب کہ حربی مرد کو قتل کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مرد اپنے معاملات میں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی، اپنی رائے پر چلتا ہے، کسی کی رائے پر نہیں۔ اسلئے اس کے قتل کا مشروع ہونا اس کے حق میں مفید ہے۔ (۹۲)

اس ضمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ اگر عورت مرتد ہو جائے تو اسے قید کر کے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے

☆ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت قابل مذمت ہے ☆

گا۔قتل نہیں کیا جائے گا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام مروان کو اس لئے قتل کرنے کا حکم دیا کہ وہ جادو کرتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتی اور اپنے ۳۰ بیٹوں کو مسلمانوں سے لڑنے پر اکساتی۔(۹۳)

۲۔ دیگر فقہاء کے نزدیک مرتدہ عورت کو بھی قتل کیا جائے گا۔مرتدہ عورت اگر حاملہ ہو تو وضع حمل کا انتظار کرنا ہوگا۔وضع حمل کے بعد بچے کی رضاعت اور پرورش کے انتظام کے بعد اسے قتل کیا جائے گا۔ان فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے:

"من بدل دينه فاقتلوه"

(جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دیا جائے)۔

اصول فقہ میں من عمومیت کے لئے آتا ہے۔لہٰذا اس حدیث میں قتل کا حکم عام ہے۔ اس میں مرد عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔مزید یہ کہ اباحت خون کا بنیادی سبب ایمان لانے کے بعد کفر قبول کرنا ہے۔یہ سبب عورت میں پایا جاتا ہے۔لہٰذا اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دینا چاہئے۔جہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم ہے جس میں عورت کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس مراد اصلاً کافرہ عورت ہی ہے۔اس لئے کہ کفر اصلی پر کفر طاری کو قیاس کرنا درست نہیں۔اس لئے کہ مرد و عورت کفر اصلی پر قائم رہتے ہیں نہ کہ کفر طاری پر۔(۹۴)

۳۔ امام زہری رحمہ اللہ،نخعی،مکحول،حماد اور اوزاعی کے نزدیک بھی مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا البتہ اسے خادمہ بنایا جائے گا جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنی حنفیہ کی عورتوں کو خادمہ بنایا اور ان میں سے ایک خادمہ خولہ بنت ایاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی گئی اور اس سے محمد بن حنیفہ پیدا ہوئے۔گویا یہ ائمہ بھی مرتدہ کو قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں۔(۹۵)

ارتداد کو حد اور اس کی سزا قتل نہ ماننے والوں کے دلائل اور ان کی تنقیح:

ارتداد کو حد ماننے یا نہ ماننے والوں کے دلائل پر تنقیح کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ مختصراً حد کا تعارف پیش کیا جائے۔عربی زبان میں حد کا لفظ روکنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے کہ حد سے مراد اللہ تعالیٰ یا شارع علیہ السلام کی طرف سے مقررہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق تجاوز کرنے پر واجب ہوتی ہے۔شرعی حدود کی تنفیذ اسلامی مملکت کے سربراہ پر فرض

ہے اور انہیں معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ یہ حدود دو قسم کی ہیں:

اول: وہ حدود جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہیں جیسے حد زنا اور حد خمر۔ ان کے اثبات کے لئے دعویٰ ضروری نہیں ہوتا۔

دوم: وہ حدود جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے مرکب ہیں۔ جیسے حد قذف اور حد سرقہ، ان کے اثبات کے لئے دعویٰ ضروری ہوتا ہے۔

جزیری کے مطابق احناف کے ہاں ان حدود کی تعداد پانچ ہے۔

۱۔ حد زنا ۲۔ حد خمر ۳۔ حد قذف ۴۔ حد سرقہ ۵۔ حد حرابہ۔

شوافع کے ہاں ان کے علاوہ جراحات (زخم لگانا، قصاص اور خون بہا)، بغاوت اور ارتداد بھی حدود میں شامل ہیں۔

ارتداد کے حد ہونے میں اس اختلاف کے باوجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور فقہاء عظام رحمہم اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ بعض مفکرین مرتد کی اس سزا سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ سزا ردت کی وجہ سے نہیں بلکہ ارتداد کے بعد مسلمانوں کے خلاف کافروں کی معاونت کرنے کی بناء پر ہے۔ اس نظریہ کے اثبات کے لئے یہ اہل علم مرتد کی سزا قتل ہونے کے دلائل پر تنقید اور اپنے نظریہ کے حق میں دلائل پیش کرتے ہیں۔

اثبات حد کے دلائل پر کئے گئے اعتراضات کی تنقیح:

پہلے ان اعتراضات کا جائزہ لیا جاتا ہے جو ان دلائل پر قائم کئے گئے ہیں۔ جن سے مرتد کی سزا قتل ثابت ہوتی ہے۔

قرآنِ مجید کے حوالے سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ارتداد کی سزا کا ذکر قرآنِ مجید میں نہیں ہے۔ لہٰذا ارتداد کی سزا قتل مقرر کرنا غیر شرعی ہے۔ اس اعتراض کے درج ذیل جوابات ہیں:

i۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ارتداد کی سزا قتل کا ذکر قرآنِ مجید میں دیگر حدود کی طرح صراحت سے نہیں لیکن سورۃ فتح کی آیت ۱۶ میں اس سزا کا واضح اشارہ ضروری ہے۔ دیگر اسلامی حدود میں حد خمر کی سزا کا ذکر بھی قرآنِ مجید میں نہیں لیکن پھر بھی تمام ائمہ فقہاء اسے حد تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کی سزا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں شراب نوشی کی حد چالیس کوڑے اور حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشاورت سے اسی (۸۰) کوڑے مقرر کی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ نے☆حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو اور امام شافعی وامام احمد رحمہم اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو بنیاد بنایا۔

ii۔ ارتداد کی حرمت کا ذکر قرآنِ مجید میں تقریباً دس بار آیا ہے۔ نیز احادیث میں واضح طور پر ارتداد کی سزا قتل بیان کی گئی ہے۔ جن احادیث سے ارتداد کی سزا قتل ثابت کی گئی ہے ان سے متعلق درج ذیل اعتراضات کئے گئے ہیں۔

(۱) "من بدل دینہ فاقتلوہ" میں من عام ہے۔ اس عمومیت کی بناء پر اسلامی ریاست کا کوئی شہری بھی اگر اپنا دین تبدیل کرے تو اسے قتل کی سزا دینا ہوگی۔ اگر چہ ہندو عیسائی ہو جائے یا عیسائی مسلمان ہو جائے۔

i۔ معترضین کا یہ اعتراض حقیقت پر مبنی نہیں اس لئے کہ اگر من کی عمومیت کا یہ مطلب ہو تو پھر تبلیغ اسلام کا دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ اگر کوئی عیسائی اسلام قبول کرے تو وہ بھی قتل کی سزا کا مستوجب ہوگا کیونکہ اس نے بھی اپنا دین تبدیل کیا ہے حالانکہ اسلام میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔

ii۔ ارتداد کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مرتد پہلے مسلمان ہو پھر کفر اختیار کرے۔ ایک یہودی اگر عیسائی ہو جائے تو اصطلاحاً وہ مرتد نہیں کہلائے گا۔

iii۔ قرآنِ مجید میں دین کی اصطلاح صرف اسلام کیلئے استعمال کی گئی ہے نہ کہ دیگر ادیان پر۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَاللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ" (۹۶)

(بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے)۔

iv۔ غیر مسلم قرآن و حدیث کے احکام کے مکلف نہیں۔ نیز حد کے نفاذ کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض ناممکن العمل ہے۔

(۲) احادیث پر معترضین کی طرف سے دوسرا اعتراض جرح و تعدیل سے متعلق ہیکہ ان احادیث کے سلسلہ سند میں فلاں راوی نابینا ہے اور فلاں جھوٹا وغیرہ۔

i۔ سلسلہ سند کے راویوں پر یہ سطحی جرح ہے جس کی بناء پر ہر شخص اپنے مخالف کی دلیل کو رد کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث سے متعلق تحقیق کا یہ وہ تاریک پہلو ہے جس کے نتیجے میں

☆امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

بہت سی احادیث کو نا قابل عمل قرار دے دیا گیا ہے اور اسی بات کو بعض لوگوں نے انکار حدیث کی بنیاد بھی بنایا ہے۔لہٰذا سطحی تنقید و جرح کا یہ اعتراض لغو ہے۔

ii۔ اگر احادیث میں ظاہراً اختلاف نظر آئے تو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھنا چاہئے کہ ان کا عمل کس حدیث کے موافق تھا۔ اگر پھر بھی بات واضح نہ ہو تو جو حدیث حالات کے زیادہ موافق ہو اسے بنیاد بنا کر قانون سازی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) ایسی تمام احادیث و آثار جن میں مرتد کی سزا قتل کا حکم ملتا ہے معترضین ان کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ان مرتدین کو ارتداد کی بناء پر قتل نہیں کیا گیا بلکہ یہ سزا اس محاربت کی تھی جو انہوں نے اسلامی حکومت کے خلاف اختیار کی تھی۔

i۔ حقیقت یہ ہے کہ مرتد کو تین دن توبہ کی دعوت دینا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مرتد کو یہ سزا ارتداد ہی کی دی جارہی تھی نہ کہ محاربت کی۔ اس لئے کہ محاربین کو نہ توبہ کی دعوت دی جاتی ہے اور نہ ہی مہلت۔ بلکہ اسے فوراً قتل کیا جاتا ہے۔ جیسے سورۃ مائدہ کی آیت ۳۳۔

”اِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ“

(ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب پر مارے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف سے کاٹے جائیں یا انہیں نفی ”قید“ کیا جائے)۔

کے مطابق قبیلہ عکل کے افراد کو جرم محاربت میں قتل کیا گیا اور انہیں کسی قسم کی دعوت و مہلت نہیں دی دی گئی۔ نیز حرابہ ایک الگ شرعی حد ہے جس کے باقاعدہ الگ قواعد وضوابط ہیں۔

ii۔ سیرت و تذکرہ کی کتب سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کو قتل کرنے کا حکم دیا حالانکہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کوئی محاربانہ پہلو اختیار نہیں کیا جیسے فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سرح، عبداللہ بن اخطل اور مقیس بن صبابہ کے متعلق فرمایا تھا۔ اگر یہ لوگ بیت اللہ کے پردوں میں بھی چھپے ہوں تو انہیں قتل کر

دیا جائے حالانکہ اس روز کفار کے لئے بھی عام معافی کا اعلان کیا گیا تھا۔

iii۔ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو مسلمان بھی مرتد ہوا وہ مدینہ منورہ چھوڑ کر باہر بھاگا جیسے فتح مکہ سے قبل حارث بن سوید انصاری اور ان کے ساتھ گیارہ اشخاص اور عبداللہ بن ابی سرح مدینہ منورہ سے مکہ چلے گئے۔ اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہ ہوتی تو مرتدین مدینہ میں ہی اقامت اختیار کرتے حالانکہ یہود و نصاریٰ مدینہ منورہ میں ہی مقیم تھے۔

۴۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت پر یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ نے مرتد کے قتل کو ناپسند کیا اور اللہ تعالیٰ سے اس قتل پر برأت پیش کی۔

اس روایت کو سرسری نظر سے بھی دیکھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قتل کی سزا سے برأت کا اظہار نہیں کیا بلکہ آپ نے اس امر پر برأت کی کہ اس مرتد کو توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل کیا گیا تھا۔ لہٰذا یہ اعتراض درست نہیں۔

۵۔ یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جن مرتدین کو قتل کیا انہیں جھوٹا دعویٰ نبوت اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کی بناء پر قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہیں اس محاربت و بغاوت کی بناء پر قتل کیا گیا جو انہوں نے اسلامی حکومت کے خلاف کی تھی اگر مذکورہ جرائم کی وجہ سے قتل کرنا ہوتا تو وہ لوگ ابتداءً ہی قتل کر دیئے جاتے وہ نہ جماعت کی شکل اختیار کرتے اور نہ ہی ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی۔

i۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان مرتدین کو کیوں قتل کرنے کا حکم دیا اس کے متعلق امام بخاری نے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

> ''خدا کی قسم اگر منکرین زکوٰۃ نے ایک رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے تو میں اس رسی کے روکنے پر ان سے جنگ کروں گا۔ بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ بخدا میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق رکھا۔'' (۹۷)

ii۔ جہاں تک ان منکرین زکوٰۃ کے قتل میں تاخیر کی بات ہے تو اس کی وجہ خلافت کا آغاز اور وہ اختلاف رائے تھی جو اس وقت بعض صحابہ کرام میں اس معاملہ میں پیدا ہوئی تھی کہ کیا ان منکرین زکوٰۃ کو قتل کرنا یا ان سے جنگ کرنا شرعاً درست ہے۔ جبکہ وہ نماز بھی ادا کرتے ہوں

تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کن کلمات ارشاد فرمائے:

"واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ "(۹۸)

"خدا کی قسم میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت تسلیم کرنے میں فرق رکھا۔" (۹۹)

آپ کا یہ فیصلہ حقیقت پر مبنی تھا۔ اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت سے انکار کرنا تھا اور اس انکار سے بالاتفاق حقیقتاً کفر لازم آجاتا ہے۔

۶۔ چھٹا اور آخری اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام قرفہ نامی عورت کو مرتد ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا بلکہ محاربہ ہونے کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ اس لئے کہ اس عورت کے تیس بیٹے تھے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارتی تھی اور اس کے قتل سے اس کے بیٹوں کی طاقت کو توڑنا مدنظر تھا۔

i۔ ام قرفہ کے محاربہ ہونے کی جو وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ اس کی نہیں بلکہ ام مروان کی ہیں لیکن اس کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر توبہ کرے تو درست ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

ii۔ عام محارب، مرتد محض اور مرتد محارب کی سزا میں فرق ہے۔ عام محارب کو ارتکاب جرم کے بعد جرم کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ مرتد محض کو قید کر کے توبہ کی پیش کش کی جاتی ہے جبکہ مرتد محارب کو توبہ کی پیش کش کے بغیر قتل کرنے کا حکم ہے۔ اس کے لئے سخت سزا اس لئے ہے کہ یہ دو جرائم یعنی ارتداد اور محاربت کا مرتکب ہوتا ہے قتل کی فوری سزا نہ صرف ارتداد کی ہے اور نہ ہی صرف محاربت کی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ام قرفہ کا قتل صرف محاربہ ہونے کی وجہ سے تھا درست نہیں۔ (۱۰۰)

معترضین کے اعتراضات پر اس تنقیح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں اور ارتداد کی شرعی سزا قتل ہی ہے۔

منکرین حد ارتداد کے دلائل کی تنقیح

اب ان دلائل کو پیش کیا جاتا ہے جنہیں منکرین ارتداد کی سزا قتل نہ ہونے پر پیش کرتے

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

ہیں اور ساتھ ہی ان کی تنقیح بھی پیش کی جاتی ہے۔

قرآنِ مجید سے دلائل:

منکرین حد ارتداد نے درج ذیل آیات سے یہ استدلال لیا ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔

i. "لا اکراہ فی الدین" (۱۰۱) (دین میں کوئی سختی نہیں)۔

اعتراض کی بنیاد اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ "لا" نافیہ کے بعد اگر اسم نکرہ ہو تو اس میں عمومیت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں یہ اصول مستعمل ہے۔ لہٰذا اس سختی میں عمومیت کا معنی ہے یعنی دین میں کسی قسم کی کوئی سختی نہیں ہے۔ جیسے "لا الہ الا اللہ" میں ہے یعنی "لا" کے بعد "الہ" اسم نکرہ ہے۔ اس میں عمومیت کا معنی پایا جاتا ہے اور اس میں ہر قسم کے معبود کی نفی ہے۔ لہٰذا اکراہ میں بھی عمومیت ہے۔ کوئی شخص جب چاہے دین اسلام قبول کرے اور جب چاہے اسے چھوڑ دے۔

i۔ اصول فقہ کے اس مسلمہ اصول عمومیت میں بھی خصوصیت کا پہلو باقی رہتا ہے جیسے "لا الہ" میں صرف معبودان باطل کی نفی ہے معبود حقیقی اس میں شامل نہیں۔ لہٰذا "لا اکراہ فی الدین" ارتداد کے علاوہ باقی معنی میں عمومیت ہے جیسے اسلام قبول کرنا، دین کے احکامات پر عمل کرنا، دینی احکام کی ادائیگی میں عدم اکراہ مثلاً ایک شخص کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے، روزہ سے بیماری میں اضافہ ہونے کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھے وغیرہ وغیرہ۔

ii۔ امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کافر کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور وہ اسلام قبول کر لے پھر وہ شخص مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل نہیں اس لئے کہ اس کا یہ ارتداد اسلام سے انحراف نہیں بلکہ کفر پر قائم رہنا ہے۔

iii۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی سالم کا ایک شخص خود مسلمان ہو گیا لیکن اس کے دو بیٹوں نے اسلام قبول نہ کیا تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹوں کے اسلام قبول کرنے کے متعلق عرض کی تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱۰۲)

اس شانِ نزول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "لا اکراہ" سے مراد قبولیت اسلام میں عدم

☆ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین ☆

اکراہ ہے نہ کہ یہ معنی کہ قبولیت اسلام کے بعد جو چاہے اسلام میں رہے اور جو چاہے اسلام چھوڑ دے اور تارک الاسلام کو کچھ نہ کہا جائے۔

۲۔ دوسری دلیل ان دو آیات پر مشتمل ہے:

i. **"و اذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا و اذا خلوا الی شیطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزء ون ○ "(۱۰۳)**

(اور (منافقین) جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ اپنے شیطانوں کے ساتھ خلوت میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف ان (مسلمانوں) کا مذاق اڑا رہے ہیں)۔

ii. **"وقالت طائفۃ من اھل الکتاب امنوا بالذی انزل علی الذین امنوا وجہ النھار واکفروا آخرہ لعلھم یرجعون ○ "(۱۰۴)**

(اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبی کے ماننے والوں پر جو کچھ نازل ہوا اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کر دو شاید اس ترکیب سے یہ لوگ اپنے ایمان سے پھر جائیں)۔

ان دونوں آیات سے یہ استدلال لیا جاتا ہے کہ جب ایک گروہ ایک وقت میں یا ایک دن میں مسلمان ہو کر رات کو یا کسی دوسرے وقت میں اسلام کا انکار کرتا تو ان پر ارتداد کی سزا قتل کیوں جاری نہ کی جاتی۔ اس استدلال کے ضمن میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

i۔ ان دونوں آیات کے مصداق منافقین اور اہل کتاب ہیں۔ منافقین کے بارے میں سورۃ بقرہ کے آغاز میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ مؤمن نہیں۔ لہٰذا جب یہ لوگ مؤمن ہی نہیں تو ان پر شرعی حد کا نفاذ کیسے ممکن ہوگا۔

ii۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے تو ایمان کا اظہار کرتے، کفر کا اعلان تو اپنے لوگوں کے سامنے کرتے۔ لہٰذا یہ اصول کہ جب کوئی شخص خود کو مسلمان کہے اسے مسلمان سمجھا جائے کے مطابق مرتد نہ ہوتے۔ مزید یہ کہ ارتداد کا جرم بھی اقرار اور شہادت سے ہوتا ہے۔ اس طرح بھی ان کے جرم کا اثبات نہ ہوتا کیونکہ دوسرے روز ایمان کا اظہار کرنا، اثبات جرم کے خلاف ہوتا۔

اگر اسلام سے پھر جانے کا اعلان ظاہراً بھی کرتے تو ان پر حد جاری نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ قرآنِ مجید میں انہیں اہل کتاب قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا نہ وہ دن کو ایمان لانے سے مؤمن ہوتے اور نہ ہی شام کو انکار اسلام سے مرتد قرار دیئے جاتے۔

۳. "کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَ هُمُ الْبَیِّنٰتُ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ o" (۱۰۵)

(اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت کی صداقت کی گواہی دے کر اور اس کے بعد کہ ان کو واضح دلائل (حقانیت اسلام کے) پہنچ چکے تھے کافر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

اس آیت سے مرتد کی سزا قتل نہ ہونے کا استدلال اس طرح لیا جاتا ہے کہ مرتدین کو ارتداد کے بعد ہدایت نہیں ملتی۔ لہٰذا ارتداد کے بعد ہدایت نہ ملنا ان کی زندگی کی دلیل ہے۔

کتب تفاسیر میں منقول شانِ نزول کے مطابق اس قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے لیکن ان بارہ آدمیوں میں سے صرف ایک شخص حارث بن سوید انصاری تائب ہو کر واپس مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ اگر اس آیت کا ظاہری مفہوم لیا جائے تو یہ خلاف واقعہ نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ حارث بن سوید اور عبداللہ بن ابی سرح ارتداد کے بعد دوبارہ مسلمان ہوئے تھے۔

اس آیت سے مصداق وہ لوگ ہیں جو سب کچھ حقیقت جان کر بھی مرتد ہوئے ہیں لیکن توبہ کی مہلت ملنے کے باوجود وہ راہِ ہدایت اختیار نہیں کرتے اور قتل ہو جاتے ہیں۔ یہی مفہوم اس کا قابل عمل ہے کیونکہ اس کے آگے آیت ۸۸ میں ہے "اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" کہ سابقہ تین آیات میں جو مذمتیں مرتدین کے لئے بیان کی گئی ہیں ان سے وہ مستثنیٰ ہیں جنہوں نے ارتداد سے توبہ کی اور نیک عمل کئے۔ گویا یہ آیت مرتد کو توبہ کی پیش کش کیلئے بھی حجت ہے تاکہ وہ لوگ جو کسی شبہ کی بناء پر مرتد ہو گئے ہیں وہ شبہ دور ہونے پر توبہ کر لیں۔ (۱۰۶)

۴۔ (ا) "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ o" (۱۰۷)

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے تو پھر اپنے کفر میں بڑھتے رہے تو ہرگز ان کی توبہ قبول نہ ہوگی اور وہ لوگ گمراہ ہیں)۔

(ii) ”اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْ کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا“ (۱۰۸)

(بے شک وہ لوگ جو مسلمان ہوئے پھر کافر ہوئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر اپنے کفر میں بڑھتے رہے تو اللہ تعالیٰ ہرگز انہیں بخشنے والا نہیں اور نہ ہی انہیں (سیدھی) راہ دکھائے گا)۔

ان آیات سے یہ استدلال لیا جاتا ہے کہ ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرتد ہونے کے بعد مرتدین کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں کفر میں بڑھنے کا موقع ملے گا یہاں تک کہ اپنی موت خود مریں گے۔

i۔ اول الذکر آیت اس سے قبل بیان کی گئی آیت سے ملحق ہے۔ اسی لئے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یعنی انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، انجیل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید سے انکار کیا۔ یا اس سے مراد عیسائی ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ایمان لانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید کا انکار کیا۔ لہٰذا اس سے مراد یہی لوگ ہیں نہ کہ مرتدین امت محمدیہ۔

ii۔ اگر اس کا مفہوم امت محمدیہ سے متعلق بھی ہو تو بھی ایسے شخص کا قتل کر دینا ہی بہتر ہے تا کہ اس شخص کے شر سے دیگر مسلمان محفوظ رہ سکیں۔

iii۔ مؤخر الذکر آیت سے وہ مرتد مراد ہے جو توبہ کی پیش کش کے بعد اسلام لے آئے تو اس کا اسلام معتبر ہوگا۔ گویا اس آیت میں ارتداد کے بعد ایمان کی قبولیت کا ذکر ہے اور اس کی نفی ہے کہ مرتد ہونے کے بعد کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں۔ اسی لئے اس آیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتد کو تین بار توبہ کی ترغیب دینے کا استدلال کیا ہے۔

”مَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا وَلَا

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی "(۱۰۹)

(جو کوئی راہ ہدایت پر چلتا ہے تو وہ اپنے فائدے کے لئے راہ ہدایت پر چلتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ اس آیت سے یہ دلیل وضع کی گئی کہ کسی کافر یا مرتد کے پیچھے پڑنا کسی دوسرے کا بوجھ اُٹھانے والی بات ہے)۔

i۔ اس آیت سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مرتد کو قتل نہ کیا جائے۔ یہاں تو زندگی کے ایک عام اصول کا بیان ہے کہ اس دنیا میں جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنے لئے پاتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے اس کی گمراہی کا نقصان اس پر ہوگا اور قیامت کے دن کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔

ii۔ اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ کسی کو ہدایت دینے کے لئے اس کے پیچھے پڑنا دوسرے کا بوجھ اُٹھانے کے مترادف ہے تو پھر اسلام میں دعوت وتبلیغ کا سلسلہ مکمل طور پر بند ہو جائے گا۔ کفار کو ہدایت دینے سے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ o " (۱۱۰)

(اے جان عالم) شاید آپ اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر دیں گے کہ وہ "کفار" ایمان نہیں لا رہے)۔

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

"اے علی تمہاری کوشش سے ایک آدمی کا دین حق قبول کر لینا دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔" (۱۱۱)

اس طرح کی یہ کوشش تو آج مسلمانوں میں ہر جماعت سے منسلک فرد دوسرے کو اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لئے کرتا ہے تو کیا یہ دوسرے کا بوجھ اُٹھانے والی بات ہوگا۔ لہٰذا اس آیت سے مذکورہ استدلال درست نہیں۔

علم وفن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

احادیث سے دلائل

اب ان احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے منکرین حد ارتداد یہ استدلال لیتے ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب فضائل المدینہ میں روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے اسلام پر بیعت کی۔ پھر دوسرے روز بیماری کی حالت میں آیا اور عرض کرنے لگا میری بیعت فسخ کر دیں۔ آپ نے تین بار انکار کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"المدينة كالكير تنفي خبثها وتنصع طيبها" (۱۱۲)

(مدینہ بھٹی کی طرح ہے۔ اس کے خبث کو دور کرتا ہے اور اس کی خوشبو خالص ہو جاتی ہے)۔

اس حدیث سے یہ دلیل وضع کی گئی ہے کہ بیعت واپس ہونے پر وہ شخص مرتد ہو گیا اور اس شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل نہیں کیا اور اسے ایسے ہی مدینہ سے جانے کی اجازت دی۔

شارحین اس استدلال کو اس لئے درست قرار نہیں دیتے۔

i۔ یہ بیعت قبولیت اسلام پر نہیں تھی بلکہ کسی دینی امر پر بیعت تھی۔ کیونکہ کفر میں اقالہ نہیں ہوتا۔ جزوی بیعت میں اقالہ ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بیعت مدینہ منورہ میں اقامت پر ہو اور وہ بیماری کی وجہ سے اس بیعت سے رجوع کر کے مدینہ سے جانا چاہتا ہو۔

ii۔ اگر اسے اسلام کی بیعت قرار دیا جائے تو پھر اکراہ کا اثبات ہو رہا ہے کیونکہ وہ شخص بیعت اسلام توڑ رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اس کی بیعت توڑنے سے انکار کیا۔

iii۔ اگر یہ اقالہ کفر پر ہوتا ہے تو پھر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ مرتد ہو جاتا تو خاموشی سے مدینہ سے نکل جاتا۔ عہد رسالت میں کوئی ایک ایسی مثال نہیں ملتی جس میں کسی مسلمان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ارتداد کو اختیار کیا ہو۔

iv۔ حدیث میں خبث کا لفظ ہے کفر کا نہیں۔ خبث مسلمان میں بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ خبث پیدا ہونے سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا مسلمان ہی رہتا ہے۔

☆ قال الامام الشافعي رحمه الله تعالى : امن الناس عليّ في الفقه محمد بن حسن ☆

۷۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر وہ شخص مرتد ہوتا تو اسے فوراً قتل کر دیا جاتا۔ اس کا قتل نہ کیا جانا اس بات پر دلیل ہے کہ یہ بیعت کی واپسی اسلام سے رجوعیت نہیں تھی۔ (۱۱۳)

۲۔ دوسری دلیل صلح حدیبیہ کی تیسری شق سے اخذ کی گئی ہے جو کہ یہ ہے:

''مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو کر چلا آئے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔''

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں، معاہدہ حدیبیہ سے مذکورہ استدلال حقیقت پر مبنی نہیں۔

i۔ دشمن کے ساتھ معاہدہ میں کئی مصلحتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ کسی بھی معاہدہ کی شرطوں کو مستقل اصول قرار نہیں دیا جا سکتا جیسے اسی معاہدہ میں کفار مکہ کی طرف سے معاہدہ کی تحریر کا آغاز ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی بجائے ''باسمک اللھم'' سے کیا گیا ہے۔ **محمد رسول اللہ** کی بجائے محمد بن عبداللہ معاہدہ میں لکھا گیا۔ تو اب کیا **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھنا منع قرار پائے گا کیا **محمد رسول اللہ** لکھنا اور کہنا ممنوع ہوگا؟ ایسا ہرگز نہیں۔ لہٰذا اس شرط کو تسلیم کر لینے سے مرتد کی سزا قتل ختم نہیں ہو جاتی۔

ii۔ ویسے بھی اگر کوئی مرتد اسلامی ریاست کو چھوڑ کر کسی غیر اسلامی ملک میں منتقل ہو جائے تو اسلامی مملکت اس ملک سے اسے طلب نہیں کرے گی۔ چونکہ یہ شق اسلام کے مطابق تھی لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تسلیم کر لیا۔

۳۔ تیسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ سنن بیہقی میں ہے: عبداللہ بن ابی سرح کاتب رسول تھا۔ مرتد ہوا تو قتل کا حکم دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی تو آپ کو پناہ کی اجازت دی گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔

i۔ اس دلیل کی حقیقت کو جاننے کے لئے مذکورہ شخصیت کے احوال کو جاننا ضروری ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ اسد الغابہ میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان کے رضاعی بھائی تھے۔ فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کیا کرتے تھے۔ پھر مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملے اور ان سے جا کر

کہا کہ میں محمد کو جس طرح چاہتا تھا پھیر دیتا تھا۔ وہ مجھے عزیز حکیم لکھاتے۔ میں پوچھتا علیم حکیم آپ فرماتے ہاں۔ ہر ایک صحیح ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ان کے، عبداللہ بن خطل اور مقیس بن صبابہ کے بارے میں فرمایا انہیں قتل کر دو۔ اگرچہ یہ خانہ کعبہ کے پردوں میں چھپے ہوں۔ عبداللہ بن سعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگ کر گئے۔ آپ نے انہیں امان دی۔ جب مکہ میں اطمینان ہوا تو حضرت عثمان انہیں لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے (امید توبہ) امان چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر تک خاموش رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول فرمائی۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس بیٹھے ہوئے صحابہ سے پوچھا۔ میں اس وجہ سے خاموش تھا تاکہ تم میں سے کوئی شخص اسے قتل کر دیتا۔ ایک انصاری نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اشارہ فرما دیتے تو آپ نے فرمایا نبی کی آنکھ خائن نہیں ہوتی۔ اس دن سے یہ عبداللہ مسلمان ہوئے اور پھر اسلام پر ثابت قدم رہے۔ (۱۱۴)

اس روایت سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ عبداللہ کو قتل کر دیا جاتا۔

ii۔ جہاں تک امان لینے کی بات ہے تو اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کئے کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک یہ تعزیری سزا ہے نہ کہ دیگر حدود کی طرح ایک حد۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عثمان نے ان کے تائب ہونے کا یقین دلایا ہو۔ جس میں آپ رضی اللہ عنہ کامیاب ہوئے اور حضرت عبداللہ اسی توبہ پر ثابت قدم رہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی سرح سے متعلق اس روایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتد کی سزا فتح مکہ سے قبل مقرر کر دی تھی۔

۴۔ اگر اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو عورتوں کو بھی اس جرم میں قتل کئے جانے کا حکم ہوتا کیونکہ دیگر جرائم کی سزاوں میں مرد عورت کی کوئی تفریق نہیں۔

اس اعتراض کے جواب کے لئے عورت کے ارتداد کے عنوان کو دیکھا جا سکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شوافع کے ہاں عورت کو بھی ارتداد کے جرم میں قتل کیا جاتا ہے جبکہ احناف کے ہاں بایں وجہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا۔

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

i۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ii۔ عورتوں کا دین اختیار کرنا بالعموم مردوں کے تابع ہوتا ہے۔لہٰذا یہ اعتراض بھی درست نہیں۔

نوٹ: یہ تمام اعتراضات عبدالرحمٰن کی کتاب ''اسلامی نظریہ دربارہ قتل مرتد'' اور دیگر کتب سے لئے گئے ہیں۔(۱۱۵)

خلاصہ بحث:

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ارتداد سے متعلق دو قسم کے اختلاف ہیں۔

i۔ ''حد'' ہونے میں اختلاف۔

ii۔ مرتد کی سزا قتل ہونے میں اختلاف۔

اول الذکر اختلاف میں احناف کا نظریہ یہی ہے کہ ارتداد حدود الٰہی میں سے نہیں ہے جبکہ شوافع کے ہاں یہ حدود میں داخل ہے۔لیکن اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

مؤخر الذکر اختلاف میں اکثر فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ مرتد کو اس کے ارتداد کی بناء پر قتل کی سزا دی جاتی ہے لیکن چند ائمہ فقہاء ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے علاوہ ائمہ احناف امام سرخسی ابن حیان اور ابن ہمام رحمہم اللہ کے علاوہ ابن قدامہ رحمہ اللہ۔(۱۱۶) کی رائے میں ارتداد نہ تو حق اللہ ہے اور نہ حق العباد۔لہٰذا مرتد کو قتل کی سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ اس میں ارتداد کے بعد اسلامی حکومت سے محاربت یا جنگ کی صلاحیت کو ابتداء سے ہی ختم کر دیا جائے۔نہ وہ زندہ رہے اور نہ محاربت کا سلسلہ آگے بڑھے۔چونکہ عورت میں بالعموم یہ کیفیت نہیں ہوتی لہٰذا اسے قتل کرنے کا حکم نہیں۔مرتد کی اصل سزا تو وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے۔

ثانی الذکر رائے کو اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو یہ رائے بھی حقیقت کے مطابق نظر آتی ہے۔چونکہ عصر حاضر میں قدیم طرز محاربت نہیں ہے۔لہٰذا اس دور میں بھی مرتد کا محارب ہونا بھی نہیں پایا جاتا۔اس لئے یہ بات قابل غور ہے کہ کیا اس دور میں بھی مرتد کو قتل کی سزا دینی چاہیے یا اس کی مہلت توبہ کو تا حیات اس امکان وامید کے ساتھ رہنے دینا چاہیے کہ شاید یہ کسی بھی وقت تائب ہو جائے۔یہ اس لئے بھی قابل توجہ ہے کہ آج سائنسی، عقلی، معاشی اور دینی بنیادوں پر مسلمانوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

ارتداد کی سزا قتل ہونے کے متعلق ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ یہ سزا عہد رسالت میں ترہیبًا مقرر کی گئی تھی تا کہ مسلمان کسی بھی بنیاد پر اسلام سے منحرف نہ ہوں۔ نیز یہود و نصاریٰ کی ان سازشوں کی حوصلہ شکنی ہو جو انہوں نے اس انداز میں اسلام کے خلاف بنا رکھی تھی جن کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔ چونکہ اب اسلام کو اس قسم کی سازشوں سے کوئی خطرہ نہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام کی روشنی غیر مسلم ممالک میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ لہٰذا اس حکم پر غور کرنے کی ضرورت ہے جیسے قرآنِ مجید میں مذکور مصارف زکوٰۃ میں ایک مصرف تالیف قلب ہے جس پر عہد رسالت میں عمل ہوتا رہا۔ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر تالیف قلب کو مصارف زکوٰۃ سے خارج کر دیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا کر دیا ہے۔ لہٰذا اب اس مصرف کی ضرورت نہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اگر عالم اسلام مرتد کی سزا قتل نافذ کر دے اور اس کے ردعمل میں عالم کفر اپنے مذاہب سے متعلق ایسی ہی قانون سازی کرے تو بین الاقوامی سطح پر اسلامی تبلیغ کام کرنے والی تنظیمیں کس قدر متاثر ہوں گی۔ نیز جس تیزی کے ساتھ آج غیر مسلم ممالک میں اسلام پھیل رہا ہے اس پر کیا اثرات مرتب ہوں گے اور اس کا ذمہ دار کون ٹھہرے گا۔

حد ارتداد کے نفاذ سے متعلق چیف جسٹس (ریٹائرڈ) پاکستان جناب ایس اے رحمان نے چند تجاویز پیش کی ہیں۔ بشمول ان کے چند تجاویز ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ ارتداد کا اثبات اور اس سے متعلق دیگر احکامات کا نفاذ کم از کم ضلع کی اعلیٰ عدالت کی طرف سے ہونا چاہئے۔

۲۔ علماء کرام پر فتویٰ کفر اور ارتداد کے اجراء پر پابندی عائد کی جائے۔ البتہ انہیں عدالت میں اپنے دلائل دینے کی اجازت ہو۔

۳۔ محض ظنی دلائل پر کفر و ارتداد کا فتویٰ جاری کرنے پر تعزیری سزا مقرر کی جائے۔

۴۔ محارب نہ ہونے کے باوجود مرتد کے لئے تعزیری سزا مقرر کرنے کے علاوہ دیگر احکام اسلامی مکمل طور پر نافذ ہونے چاہئے۔

۵۔ ارتداد کے اگر معاشی اسباب ہوں تو حکومت کو چاہئے کہ ان اسباب کا ازالہ کرے۔

☆ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت قابل مذمت ہے ☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، (بذیل مادہ رد) دارصادر، بیروت، ۱۴۰۰ھ، ۵/۱۸۴۔
مرتضٰی زبیدی، تاج العروس، مطبعۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۰۶ھ، ۲/۳۹۰۔

۲۔ راغب اصفہانی، المفردات، نور محمد، کراچی، (ت۔ن)، ۱/۳۹۰۔

۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، (مترجم) مدیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ۱۹۸۷ء، ۷/۳۴۰۔

۴۔ وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلۃ، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۴ء، ۶/۱۸۳۔

۵۔ عبدالوہاب شعرانی، المیزان الکبری، دارالفکر، بیروت، (ت۔ن)، ۲/۱۵۲۔ کاظم حبیب، ارتداد ماضی اور حال کے آئینے میں، دارالعروبہ، منصورہ، لاہور، ۱۳۹۷ھ، ص ۳۴۔

۶۔ سورۃ البقرہ، ۱۰۹۔

۷۔ ایضاً، ۲۱۷۔

۸۔ سورۃ آلِ عمران، ۱۰۶۔

۹۔ سورۃ المائدہ، ۵۔

۱۰۔ ایضاً، ۵۴۔

۱۱۔ سورۃ محمد، ۲۵۔

۱۲۔ سورۃ الفتح، ۱۶۔

۱۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۳۴۳۔

۱۴۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب لایحل دم امری مسلم الا فی ثلاث، نور محمد، کراچی، ۱۳۸۱ھ، ص ۱۸۲۔

۱۵۔ ایضاً، باب المرتد عن دینہ، ص ۱۸۲۔

۱۶۔ امام مالک، مؤطا امام مالک، کتاب الاقضیہ، باب القضاء فیمن ارتد عن الاسلام، میر محمد کتب خانہ، کراچی (ت۔ن)، ص ۶۳۹۔

۱۷۔ محمد بن اسماعیل الیمنی، سبل السلام، شرح بلوغ المرام، المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ہل (ت۔ن) ۳/۱۲۴۱۔

۱۸۔ سورۃ آلِ عمران، ۱۹۔
۱۹۔ ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد، ولی محمد کارخانہ کتب، کراچی، ۱۳۶۹ھ، ۲/ ۵۹۸۔
۲۰۔ محمد بن احمد قرطبی، جامع الاحکام القرآن، دار الکاتب، تہران، ۱۶/ ۳۱۱۔
۲۱۔ دار قطنی سنن دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، حدیث نمبر ۱۲۲، عبداللہ یمانی، مدینہ منورہ، ۱۹۶۶ء، ۳/ ۱۱۸۔
۲۲۔ شوکانی، نیل الاوطار، ابواب احکام الردۃ الاسلام، انصار السنۃ محمدیہ، لاہور، (ت۔ن) ۷/ ۲۱۷
۲۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب المرتد، باب قتل من ارتد عن الاسلام الخ، دار الفکر، بیروت، (ت۔ ن) ۸/ ۲۰۴۔
۲۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷/ ۳۱۷، ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، سعید کمپنی کراچی، ۱۹۵۷ء، ۵/ ۳۱۶
۲۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸/ ۲۰۶۔
۲۶۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، ص ۱۸۲، امام احمد، المسند، ۱/ ۶۲، ۶۳، ۱۶۳۔
۲۷۔ السنن الکبریٰ، ۸/ ۲۰۶ (السنن الکبریٰ میں مزید احادیث ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)۔
۲۸۔ امام احمد، المسند، دار الفکر، بیروت، (ت۔ن)، ۵/ ۲۴۲۔
۲۹۔ الصحیح البخاری، کتاب استتابۃ والمرتدین وقتالھم، نور محمد، کراچی، ۱۹۴۸ء، ۲/ ۱۰۲۳، سبل السلام میں ۲۰ دن کی مہلت کا ذکر ہے۔ حسن بصری کے نزدیک ایک سو بار توبہ کی دعوت دینی چاہئے۔ ابن حیان، البحر المحیط، ۲/ ۱۵۰۔ ۱۵۱، ابن قدامہ، المغنی، مکتبہ ریاض الحدیثہ، ریاض، ۱۹۸۱ء، ۸/ ۱۲۵۔
۳۰۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷/ ۱۲۸، ابن نجیم، البحر الرائق، ۵/ ۱۳۶۔
۳۱۔ ابن نجیم، البحر الرائق، مکتبہ حامدیہ، کوئٹہ، (ت۔ن)
۳۲۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/ ۳۴۰۔
۳۳۔ سورۃ التوبہ، ۶۵۔ ۶۶۔
۳۴۔ تنزیل الرحمٰن، اسلامی قانون ارتداد، قانونی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۶۔
۳۵۔ سورۃ البقرہ، ۴۳۔

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

۳۶۔ سورۃ النساء، ۱۱۔
۳۷۔ امام احمد، مسند، ۲/ ۳۸۷، ہیثمی، مجمع الزوائد (کتاب الاحکام، باب فی الرشاء)، مکتبہ القدسی، قاہرہ، ۱۳۵۲ھ، ۴/۱۹۹۔
۳۸۔ جامع الترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراهیة الغش فی البیوع، مکتبہ رحیمیہ، (دیوبند) ۱۹۵۲ء، ۱/ ۱۷۷۔
۳۹۔ امام احمد، المسند، ۳/ ۱۳۵۔
۴۰۔ محمد جواد مغنیہ، علم اصول الفقہ، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۰ء، ۱۸۹۔
۴۱۔ محمد شفیع، تکفیر کے اصول، ملحقہ اسلامی قانون ارتداد، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، قانونی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۷۸۔
۴۲۔ سورۃ الانعام، ۵۷۔
۴۳۔ سورۃ المائدہ، ۹۳۔
۴۴۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸/ ۱۳۲۔
۴۵۔ تنزیل الرحمٰن، اسلامی قانون ارتداد، ص ۲۶۔
۴۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/ ۳۵۲، کاظم حبیب، ارتداد ماضی اور حال کے آئینے میں، ص ۵۴۔۵۹
۴۷۔ نسائی، سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب من لا یقع طلاقه من الازواج، قدیمی کتب خانہ، کراچی (ت۔ن)، ۲/ ۹۲، احمد، المسند، ۱/ ۱۴۶۔
۴۸۔ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، اسلام کا فوجداری قانون، ۳/ ۳۹۷۔
۴۹۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/ ۳۴۰۔ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی، اسلام کا فوجداری قانون، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ۳/ ۳۹۷۔
۵۰۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/ ۳۴۰۔
۵۱۔ امام احمد، المسند، ۲/ ۳۱۵، ۳/ ۴۶۷۔
۵۲۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/ ۱۸۵۔
۵۳۔ سورۃ مریم، ۳۰۔
۵۴۔ سورۃ النحل، ۱۰۶۔

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

۵۵۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق، المکرہ الناسی، ص ۱۴۷۔
۵۶۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۳۴۴۔
۵۷۔ ایضاً، ص ۴۳۶، ۴۴۵۔ مرغینانی، الہدایہ، محمد علی کارخانہ کتب، کراچی، (ت۔ن)، ۳/۳۴۶۔
۵۸۔ سورۃ النساء، ۹۴۔
۵۹۔ امام احمد، المسند، ۴/۴۳۰، سرخسی، المبسوط، ۱۰/۱۰۰۔
۶۰۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۲۷۵۔
۶۱۔ ایضاً۔
۶۲۔ تنزیل الرحمٰن، اسلامی قانون ارتداد، ص ۶۔
۶۳۔ بخاری الجامع الصحیح، کتاب الایمان، ۱/۸۔ احمد، المسند، ۲/۳۴۵۔
۶۴۔ احمد، المسند، ۵/۴۳۳۔
۶۵۔ ایضاً، ۴/۴۳۹۔
۶۶۔ شاہ ولی اللہ، الحجۃ اللہ البالغہ، نور محمد، کراچی، (ت۔ن)، ۲/۴۶۷۔
۶۷۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۱۳۵۔ تنزیل الرحمٰن، اسلامی قانون ارتداد، ص ۳۱۔
۶۸۔ مرغینانی، ہدایہ، کتاب احکام المرتدین، ۲/۵۸۰، شوکانی، نیل الاوطار، ۷/۲۱۷۔
۶۹۔ ایضاً، ص ۲۱۶۔
۷۰۔ سورۃ النساء، ۱۳۷۔
۷۱۔ مرغینانی، الہدایہ، ۲/۵۸۰۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۳۴۱۔
۷۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸/۳۴۱۔
۷۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۳۴۱۔۳۴۲۔
۷۴۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، فاران اکیڈمی، لاہور (ت۔ن)، ۱/۲۹۵، الزحیلی، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، ۶/۱۸۸۔
۷۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸/۱۲۸۔
۷۶۔ کاظم حبیب، ارتداد ماضی اور حال کے آئینے میں، ص ۲۳۳۔۲۳۴۔
۷۷۔ مرغینانی، الہدایہ، ۲/۵۸۱، کاسانی بدائع الصنائع، ۷/۳۴۶۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/۱۸۹۔۱۹۳۔

۷۸۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۳۴۸۔ تنزیل الرحمٰن، اسلامی قانون ارتداد، ص ۶۵۔۶۶۔
۷۹۔ احمد، المسند، ۵/۲۰۰۔
۸۰۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۳۵۰۔
۸۱۔ ایضاً۔
۸۲۔ ایضاً۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/۱۹۳۔
۸۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۳۵۲۔۳۵۳۔
۸۴۔ نعیم الدین مرادآبادی، حاشیہ قرآنِ مجید، بذیل سورۃ توبہ آیت ۲۹، تاج کمپنی، لاہور (ت۔ن)
۸۵۔ سورۃ التوبہ، ۲۹۔
۸۶۔ ظہور احمد اظہر، ''حد'' دائرۃ معارف اسلامی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۸ء، ۷/۲۳۹۔۲۴۲
۸۷۔ مرغینانی، الھدایہ، ۲/۵۷۵۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۲۹۰۔۲۹۲۔
۸۸۔ ایضاً، ۲/۸۶۰، ۳/۵۳۳۔ مرغینانی الھدایہ، ۱/۳۲۸۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ترجمہ منظور احمد عباسی، محکمہ اوقاف، پنجاب، لاہور، ۱۹۷۷ء، ۲/۲۱۷۔
۸۹۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۵/۱۱۲۔
۹۰۔ احسان نانوتوی وخرم علی، غایۃ الاوطار، ۴/۵۲۹۔
۹۱۔ امام احمد، المسند، ۵/۳۵۸۔
۹۲۔ کاسانی، بدائع الصنائع، (مترجم) ۷/۳۴۲۔
۹۳۔ الجزیری، کتاب الفقہ، ۵/۱۱۔۱۱۲۔
۹۴۔ مرغینانی، الہدایہ، ۲/۵۸۰۔۵۸۱، ساجد الرحمٰن، اسلام کا فوجداری قانون، ۳/۴۰۵۔
۹۵۔ ابن حجر عسقلانی، تلخیص الحبیر، ۴/۵۰، مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل۔

justice (R) S.A. Rshman, Punshment Apostasy in Islam,

Intitute of Islamic Culture, Lahore, 1972, p. 130, 138.

دارقطنی، السنن دارقطنی، حاشیہ حدیث نمبر ۱۲۷، ۳/۱۲۰۔

۹۶۔ سورۃ آلِ عمران، ۱۹۔
۹۷۔ الصحیح البخاری، کتاب استتابة المعاندین والمرتدین وقتالهم، باب قتل من ابی قبول الفرائض، ۲/۳، ۱۰۲۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

۹۸۔ ایضاً، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، ۱/ ۱۸۸۔
۹۹۔ الجزیری، کتاب الفقہ، مترجم، ۵/ ۸۱۱۔
۱۰۰۔ سورۃ البقرہ، ۲۵۶۔
۱۰۱۔ ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ۲/ ۳۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/ ۴۴۳۔
۱۰۲۔ سورۃ البقرہ، ۱۴۔
۱۰۳۔ سورۃ آل عمران، ۷۲۔
۱۰۴۔ ایضاً، ۸۶۔
۱۰۵۔ ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ۲/ ۲۶۸، کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/ ۴۴۳۔
۱۰۶۔ سورۃ آلِ عمران، ۹۰۔
۱۰۷۔ سورۃ النساء، ۱۳۷۔
۱۰۸۔ سورۃ بنی اسرائیل، ۱۵۔
۱۰۹۔ سورۃ الشعراء، ۳۔
۱۱۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ۲/ ۶۰۶۔
۱۱۱۔ ایضاً، کتاب فضائل المدینہ، باب المدینہ تنفی الخبث، ۱/ ۲۵۳۔
۱۱۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء، ۴/ ۹۷۔
۱۱۳۔ ابن الاثیر جزری، اسد الغابہ، ترجمہ عبد الشکور فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۴۰۷ھ، ۵/ ۲۳، بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸/ ۱۹۷۔
۱۱۴۔ عبد الرحمٰن، اسلامیہ نظریہ در بارہ قتل مرتد، رحمانیہ منزل، ڈیرہ غازی خاں، ۱۹۸۴ء، رحمت اللہ طارق، قتل مرتد کی شرعی حیثیت، ادارہ دابیات اسلامیہ، ملتان، ۱۹۸۷ء۔ روشن دین تنویر، اسلام میں مرتد کی سزا، مکتبہ تحریک، لاہور (ت۔ن)۔ شیر علی، قتل مرتد اور اسلام، قادیان، (ت۔ن)۔
۱۱۵۔ سرخسی، المبسوط، ۱۰/ ۱۰۰، ابن حیان، البحر المحیط، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۳ء، ۲/ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ابن ھمام، فتح القدیر، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، (ت۔ن)، ۵/ ۳۰۷، الجزیری، کتاب الفقہ، ۵/ ۵۱۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸/ ۱۲۶۔

S.A. Rshman, Punshment of Apostasy in Islam, p. 130, 138.

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا